© rasailojaraid.com

اسی قصیدے کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

ان یعاتب یکن عتابا و ان یعط جزیلا فانہ لایبالی

(اگر میرا ممدوح عتاب نازل کرے تو باعث نقصان نہیں ہے۔ اور اگر وہ بڑی بڑی بخششیں کرنے پہ آجائے تو وہ کر بھی سکتا ہے کیونکہ اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے)

پھر حسان بن ثابت نے اپنا قصیدہ پیش کیا جس کا مطلع ہے ؎

الم تسأل الربع الجدید التکلما بمدفع اشداخ فبرقۃ اظلما

(کیا تو نے وادی اشداخ اور مقام برقہ اظلم میں واقع مکانات محبوبہ سے باتیں کرنے کو کہا ہے)

اسی قصیدے میں یہ اشعار بھی تھے۔

ولدنا بنی العنقاء و ابنی محرّقٍ فاکرم بنا خالاً و اکرم بنا ابنما

(العنقاء یعنی ثعلبہ بن عمرو مزیقیا بن عامر ماء السماء کی اولاد اور محرق یعنی حارث بن عمرو مزیقیا کے بیٹوں کو ہم نے جنم دیا ہے اسی لئے ہم بڑے باعزت ننھیال والے اور شریف لوگ ہیں)

لنا الجفنات الغرّ یلمعن بالضحیٰ و اسیافنا یقطرن من نجدۃٍ دما

(ہمارے یہاں مہمانوں کے لئے سفید نشانات والے تھال ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں اور بہادری کی وجہ سے ہماری تلواروں سے خون ٹپکتا رہتا ہے، یعنی ہم سخی بھی ہیں اور بہادر بھی)

اس کے بعد خنساء آئی۔ اس نے اپنے بھائی صخر کا مرثیہ پیش کیا۔ جس کا مطلع ہے ؎

قذی بعینیک ام بالعین عوار ام ذرفت ان خلت من اھلھا الدار

(تیری آنکھوں میں کوئی تنکا جا پڑا ہے یا انھیں جھک لیا گیا ہے۔ یا یہ اس لئے آنسو بہا رہی ہیں کہ مکان رہنے والوں سے خالی ہو چکا ہے)

و ان صخراً لتأتم الھداۃ بہ کانہ علم فی راسہ نار

(صخر ہمارے لئے کافی تھا وہ ہمارا سردار تھا اور جب موسم سرما میں ہم قحط سالی کا شکار ہوتے تھے تو وہ اپنے اونٹ ذبح کر کے خوب کھلاتا تھا۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نابغہ نے خنساء کا قصیدہ سن کر کہا کہ اگر تجھ سے پہلے میں اعشیٰ کو اس سال کا بہترین شاعر قرار دے چکا ہوتا تو کہہ دیتا کہ سوق عکاظ میں موجود تمام شعراء میں تو سب سے بڑی اور بہترین شاعرہ ہے۔ یہ سننا تھا کہ حسان کو غصہ آگیا [51] مگر نابغہ نے کہا۔

"اقللت جفانک واسیافک وفخرت بمن ولدت ولم تفخر بمن ولدک"

یعنی ایک تو تو نے تھال اور تلواریں کم کر دیں۔ پھر اپنے آباء و اجداد کے بجائے اپنے نواسوں پر فخر کرتا ہے۔ [52]

ایک دوسری روایت ہے کہ نابغہ نے کہا "تو نے "الجفنات" جمع قلت کہا ہے اگر تو "الجفان" جمع کثرت کہتا تو یہ کثرت پر دلالت کرتا۔ اسی طرح تو نے "یلمعن فی الضحیٰ" یعنی وہ تھال چاشت کے وقت چمکتے ہیں" کہنے کے بجائے اگر "یبرقن فی الدجیٰ" یعنی وہ تاریکی میں بجلی کے مانند چمکتے ہیں" کہتا تو زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ کیونکہ مہمان تو اکثر رات ہی کے وقت آتے ہیں۔ ایسے ہی تیرا یہ کہنا کہ "یقطرن من نجدۃ دما" یعنی بہادری کی وجہ سے تلواروں سے خون ٹپکتا ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ تمہارے مقتول بہت تھوڑے ہیں اگر تو "یجرین من نجدۃ دما" یعنی بہادری کی وجہ سے تلواروں میں سے خون بہہ رہا ہے" کہتا تو یہ زیادہ خونریزی پر دلالت کرتا۔ اور تمہاری بہادری کو ثابت کرتا [53]

صولی نے اسے نابغہ ذبیانی کی بلند پایہ تنقید قرار دیا ہے۔ اور اس کی نکتہ طرازیوں کی بڑی داد دی ہے، لیکن ایک گروہ نے اس قول کو رد کرتے ہوئے حسان بن ثابت کے موقف کی تائید کی ہے۔ چنانچہ قدامہ بن جعفر لکھتے ہیں۔

"حسان پر یہ تنقید نابغہ کی ہو یا کسی اور کی۔ صاف طور پر غلط معلوم ہوتی ہے اور حسان نے بالکل درست کہا ہے کیونکہ ان کے بیان کردہ معانی حقیقت کے بالکل

[51] آغانی ۱۲۶/۸ و ۶/۱۱

[52] المرزبانی۔ الموشح صفحہ ۶۰

[53] الموشح مرزبانی صفحہ ۶۰ و اسواق العرب فی الجاہلیۃ والاسلام صفحہ ۳۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق ہیں۔ اس پر اعتراض کرنے والا راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور وہ یوں کہ "الغرّ" سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ تھالوں کو سفید قرار دینا چاہتے ہیں اور چونکہ وہ مکمل طور پر سفید کہنے سے قاصر رہے۔ لہذا ان کے مدعا میں کمی واقع ہوگئی۔ بلکہ "الغرّ" سے ان کی مراد شہرت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "لیوم اغرّ" "مشہور دن" تو یہاں بیاض مراد نہیں ہوتی بلکہ شہرت مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح نابغہ کا یہ کہنا کہ اگر وہ "ضحیٰ" یعنی چاشت کی جگہ "دجیٰ" یعنی تاریکی کہتے تو اچھا تھا۔ کیونکہ چاشت کے وقت تو ہر چیز چمکتی ہے لیکن یہ بھی خلاف حقیقت اور ناموزوں ہے۔ اس لئے کہ دن میں صرف تیز نور اور سخت روشنی والی اشیاء ہی چمک سکتی ہیں مگر رات کو تو معمولی نور اور ہلکی سی روشنی والی اشیاء بھی چمکتی ہیں جیسے ستارے جو رات کو ظاہر اور ہماری نگاہوں کے سامنے رہتے ہیں اور ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں لیکن دن کو ان کی چمک کم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ غائب ہو جاتے ہیں اسی طرح چراغ اور لیمپ کی روشنی بھی دن میں ناقص ہو جاتی ہے۔ لیکن رات کو تو تیز نظر کی وجہ سے درندوں کی آنکھیں بھی چمکتی ہیں اور جگنو بھی رات کو چنگاری دکھائی دیتا ہے۔ پھر نابغہ یا کسی اور کا یہ کہنا کہ تلواروں کے لئے یقطرن کی جگہ یجرین زیادہ مناسب تھا۔ کیونکہ "جری" کا لفظ "قطر" سے زیادہ مناسب ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسان کی مراد یہاں کثرت سے نہیں بلکہ وہ عرف عام کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ عموماً لوگ جب کسی جری، شجاع اور بہادر اور پھرتیلے جنگجو کا ذکر کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ اس کی تلوار سے خون ٹپکتا ہے۔ اور یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ اس کی تلوار سے خون بہتا ہے۔ اگر حسان "یقطرن" کی جگہ "یجرین" کہتے تو یہ عربوں کے عرف عام اور عادتِ مالوف کے خلاف ہوتا۔" [1]

ایک روایت میں یہ تنقید خنساء کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خنساء نے

---

[1] نقد الشعر ص ۲۴ تا ص ۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نابغہ کو اپنے اشعار سنائے تو حسان بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ نابغہ نے خنساء سے کہا کہ میں نے عورتوں میں تم سے بڑھ کر کوئی شاعرہ نہیں دیکھی تو خنساء نے کہا نہیں جناب! نوجوان مردوں میں بھی۔ اس پر حسان نے کہا کیا بکتی ہو میں تم سے بڑا شاعر ہوں جہاں میں نے کہا ہے کہ "لنا الجفنات الغرّ الخ" خنساء نے کہا تونے اپنے فخر کو کمزور کر دیا اور تونے آٹھ جگہوں پر کمزوری دکھلائی ہے"۔ پھر آگے ایک ایک گنائی ہے۔ ؎۱

اس پر ڈاکٹر احسان النص لکھتے ہیں۔

"عقل سلیم رکھنے والے اس تنقید کو پڑھ کر بھلا کس طرح سوچ سکتے ہیں کہ اتنی باریک اور بھرپور تنقید کسی ایسی شاعرہ سے جس نے جاہلیت کے زمانے میں زندگی گذاری ہو کیسے ممکن ہو سکتی ہے جیسی کہ خنساء نے حسان کے کلام پر کی ہے۔ ہمارا خیال ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ جس صورت میں یہ تنقید ہم تک پہونچی ہے اس میں متاخرین کی کارستانیوں کو بہت بڑا دخل ہے اور یہ سراسر گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تنقید کے قدیم مآخذ میں اس کا کہیں نشان بھی نہیں ملتا۔ نہ آغانی نے ذکر کیا اور نہ "الشعر والشعراء" نے نہ "طبقات الشعراء" ہی میں اس کے متعلق کچھ ملتا ہے۔ یہ تنقید عربوں کی عقلی زندگی کے اس معیار سے بھی میل نہیں کھاتی جو جاہلیت کے دور میں تھی۔ اس کا زیادہ تر حصہ محل نظر ہے۔ روایت کے لحاظ سے بھی اور درایت کے اعتبار سے بھی قابل وثوق نہیں۔ اگر اسے نابغہ کی طرف بھی منسوب کیا جائے تب بھی اسے موضوع ہی قرار دیں گے کیونکہ زیر بحث استدلال ہی اس کے بطلان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ بھلا بتلائیے اس زمانے میں قلت و کثرت کا جھگڑا ہی کہاں تھا؟ قدماء نہ تو ان اصطلاحات ہی سے واقف تھے جسے ہم نحو و صرف کی کتابوں میں پاتے ہیں اور نہ ان باریکیوں پر ان کی نگاہ تھی جو

؎۱ مقدمہ دیوان الخنساء لوئیس شیخو ص۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فنی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ [1]

چنانچہ ضیاء الدین ابن الاثیر نے اسی نقطہ نظر سے حسان کے ان دونوں شعروں کے سلسلے میں صولی کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ حسان کے کلام کو قلت و کثرت کی بنا پر مورد طعن بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس کے دوسرے پہلو سے بھی دیکھیں تو حسان پر اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ انھوں نے آباء و اجداد پر فخر کرنے کے بجائے .... اپنی اولاد دونواسوں پر فخر کیا ہے تو یہ بات صحیح نہیں کہی جا سکتی کیونکہ حسان نے اپنے دادا انبی العنقاء وابن محرق پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان کے بیٹے نہیں تھے۔ لفظ "ولدنا" سے مراد صرف اولاد ہی نہیں ہوتی، بلکہ اس زمرے میں خاندان کے وہ تمام افراد آجاتے ہیں جو قدیم زمانے سے شریف و نجیب رہے ہیں۔ [2]

بہر حال جاہلیت کے دور میں حسان ادبی و شاعرانہ سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ اور اسی دور سے ان کا شمار عرب کے ممتاز شاعروں میں ہونے لگا تھا۔

حیرہ اور غسان کی حکومتیں

جزیرہ عرب اس زمانے کی دو عظیم تہذیبوں کے درمیان تھا۔ مشرق میں ایران اور مغرب میں روم، ایران اور روم نے بارہا چاہا کہ وہ عربوں کو اپنی حکومت کے ماتحت لے آئیں۔ کیونکہ آئے دن کی لوٹ مار سے ان میں ہمیشہ اندیشہ رہتا تھا اس کے علاوہ اس جزیرہ کو فتح کرنا بھی آسان نہ تھا اس کے لئے بے شمار مالی و جانی قربانیاں درکار تھیں۔ پھر اس میں طرح طرح کی قومی عصبتیں بھی تھیں۔ اس لئے انھوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ وہ ان قبائل کو مدد دیں جو سرحدوں پر واقع ہیں۔ وہ کھیتی باڑی کر کے متمدن زندگی بسر کریں اور پھر یہ ان کے لئے آڑ بن جائیں۔ اور بدوؤں کی لوٹ مار کو

---

[1] حسان بن ثابت حیاتہ وشعرہ ص۳۳ - [2] ابن الاثیر المثل السائر ۲/۳۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روک سکیں، چنانچہ ان کی اسی پالیسی کا نتیجہ تھا کہ ایران کی سرحد پر حیرہ کی حکومت اور روم کی سرحد پر غسانیوں کی حکومت قائم ہوگئی ۔ یہ دونوں عرب سلطنتیں بعد میں تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور علم و ادب کا مرکز بن گئیں ۔ ان کے علم دوست بادشاہوں کے دربار میں شعراء اپنا کلام پیش کرتے ۔ داد و تحسین کے ساتھ انعام سے نوازے جاتے ۔ ان بادشاہوں کی قدر دانی اور سخن فہمی شعراء کو کشاں کشاں لے آتی ۔

حیرہ کے بادشاہ یمنی قبیلہ لخم سے تعلق رکھتے تھے ۔ پہلا بادشاہ مالک بن فہم الازدی تھا۔ نعمان اول منذر اول، دوم، سوم، نہایت مقتدر اور جنگجو بادشاہ تھے ۔ عمرو بن ہند متوفی ۵۶۹ء خود بہت بڑا شاعر اور شعراء کا قدرداں تھا ۔ عدی بن زید ۔ عبید بن الابرص اور نابغہ ذبیانی اسی کے عہد کے نگینے تھے ۔ حارث بن حلزہ نے سات پردوں کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اسی کے دربار میں اپنا مشہور قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے ؎

آذنتنا ببينها اسماءُ　　رُبَّ ثاوٍ يملُّ منه الثواءُ

عمرو کی والدہ ہند بھی داد سخن دیئے بغیر نہ رہ سکی ۔ بادشاہ نے پردوں کے اٹھا دینے کا حکم دیا ۔ حارث کو قریب لایا گیا اور اس پر انعامات کی بارش کی گئی ۔

طرفہ بن العبد متوفی ۵۵۰ء اسی کے دربار کا شاعر تھا اور پھر اسی کے ایماء سے قتل ہوا ۔ عمرو بن ہند کو عمرو بن کلثوم نے قتل کر ڈالا ۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ نعمان بن ابی قابوس تھا ۔ اس کی تربیت میں عدی بن زید کو بڑا دخل تھا ۔ نابغہ ذبیانی نے ابو قابوس کی بیوی متجردہ کی توصیف میں ایک قصیدہ لکھا اور اس کے ظاہری حسن کی تعریف اس قدر کی کہ بادشاہ کو اپنے شاعر کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوگئے اور وہ عنفوان شباب ہی میں قتل کر دیا گیا ۔

حیرہ کے عرب امراء اور ان کی تاریخ کا عربی ادب پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے ۔ چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذیمۃ الابرش۔ اور زبّاء کی کہانیاں، خورنق اور سدیر کے متعلق گانے۔ اور ان کی عظمت کے تذکرے، سنمار ربانی خورنق کے متعلق قصے اور ضرب الامثال۔ نعمان کے ہر دو جنگی ایام کا ذکر۔ یوم نعیمہ اور یوم بؤسہ۔ عربی ادب کے بڑے حصے پر حاوی ہیں۔

جس طرح قبیلہ لخم نے حیرہ میں حکومت قائم کر رکھی تھی اسی طرح غسانیوں نے بھی شام کے علاقہ میں ایک حکومت قائم کی۔ ان کی اصل بھی یمن ہی سے تھی۔ اور حسان بن ثابت سے ان کا خاندانی تعلق تھا۔ ان کی حکومت تقریباً "حوران" اور "بلقا" کے دونوں منطقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ جولان اور جابیہ ان کا پایہ تخت تھا۔ کبھی ان کا مرکز "جلق" بھی رہا۔ جفنہ بن عمرو بنو غسان کا مورث اعلیٰ ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر اس خاندان کو "آل جفنہ" بھی کہتے ہیں۔ حمزہ اصفہانی اور ابوالفدا کے خیال کے مطابق اس خاندان کے اکتیس (۳۱) حکمران ہوئے۔ مسعودی اور ابن قتیبہ کے نزدیک ان کی تعداد گیارہ ہے۔ ان کی مدت حکومت کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ ان کی حکومت ساٹھ (۶۰) سال رہی تو کوئی ایک سو چالیس (۱۴۰) سال بتلاتا ہے۔ [1]

بہرحال آل غسان جلد ہی دمشق کے جنوبی مغربی حصوں پر قابض ہو گئے۔ انھوں نے عیسائیت قبول کر لی۔ اور عربی زبان کے علاوہ شام کی آرمیائی زبان کو بھی اپنا لیا تھا وہ کئی مرتبہ ایرانیوں سے نبرد آزما ہوئے اور فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔

ان غسانی امرا میں اہم ترین اور پہلا امیر حارث بن جبلہ بن الحارث بن ثعلبہ بن عمرو بن جفنہ بن عمرو مزیقیا رہے۔ اسے ایمپرر جوسٹینان نے ۵۲۹ء میں شام کے تمام عربی قبائل کا امیر مقرر کیا تھا۔ اسے فیلارک اور بطریق (PHYLARCH.E - PATRICIUS) کے لقب سے نوازا تھا۔ رومی حکومت میں ایمپرر کے بعد یہ بلند ترین لقب ہوا کرتا تھا۔ حارث کو مادی کامرانیوں کے علاوہ وجاہت بھی حاصل تھی وہ قسطنطنیہ

---

[1] امراء غسان لنولدکہ ترجمہ بندلی جوزی و قسطنطین زریق۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جشنین اول کے یہاں شاہی مہمان کی حیثیت سے بھی رہا۔ اس نے وہاں یعقوب البرداعی کی خدمات حاصل کیں وہ اپنے وقت کا بہترین مقرر اور مبلغ تھا۔ ۵۵۴ء میں اس نے قلنسرین کے مقام پر منذر پر بڑی فتح حاصل کی تھی۔ یہی وہ واقعہ ہے جو عربوں میں "یوم حلیمہ" کے نام سے مشہور رہے۔

غسانی امراء میں حارث کے بیٹے منذر، اور جبلہ بن ایہم علم و ادب کے مربی اور شعراء کے بڑے قدر داں تھے۔ لبید بن ربیعہ سے جو سبعہ معلقہ کے شعراء میں سب سے کم عمر تھا یوم حلیمہ ہی میں ان کی خاطر لڑا۔ نابغہ ذبیانی کو جب لخمی تاجداروں نے اپنی عنایتوں سے محروم کردیا تو اس نے آکر اسی کے دربار میں پناہ لی یشعراء عرب ان بادشاہوں کے دربار میں جاتے تو وہ ان کے ساتھ بڑے احسان سے پیش آتے۔ اعشیٰ۔ مرقش اکبر۔ اور علقمۃ الفحل وغیرہ برابر ان کے درباروں میں جایا کرتے تھے۔ حسان بن ثابت جنھیں ان سے خاندانی نسبت بھی تھی۔ اپنے قصائد میں ان کی شجاعت و فیاضی کا برابر تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ انھیں کے متعلق وہ کہتے ہیں۔

لِلّٰہِ دَرُّ عِصابَۃٍ نادَمْتُہم یوماً بجلّق فی الزمانِ الاوّلِ

(اس جماعت کی خوبی خدا ہی کے لئے ہے، جن کا میں گذشتہ زمانوں میں جلّق کے مقام پر کسی دن ندیم رہا ہوں)

علم و ادب کی آبیاری اور سرپرستی کے علاوہ ان فرمانرواؤں کو فنون لطیفہ سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ محلات کی تعمیر، حوضوں، نالابوں، گرجاؤں اور تھیئٹروں کا وجود انکے تمدن کے انتہائی عروج پر دلالت کرتا ہے۔ جو آن پرانکی عمارتوں کے آثار ابتک ان کی یاد دلاتے ہیں۔ جبلہ بن ایہم کا دربار خوش گلو عورتوں اور مہوش ساقیوں کے لئے مشہور تھا۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم ہی تھا۔ جو جنگ یرموک کے موقع پر رومیوں کی حمایت میں لڑا شکست کھائی اور اسلام قبول کرلیا۔ پھر بعد میں مرتد ہوگیا۔ اس کا واقعہ آگے آئے گا۔

(باقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطبۂ صدارت کل ہند ملی کنونشن

از جناب مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم۔ اے
جو ۳؍۴؍ اکتوبر ۱۹۷۶ء مطابق ۱۷؍۱۸؍ شوال ۱۳۹۶ھ
کو پڑھا گیا

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرات علمائے کرام زعماء و اکابر ملت و برادران عزیز و گرامی مرتبت آپ حضرات نے آج کے اہم اور عظیم الشان اجتماع کی صدارت کا اعزاز و شرف ایک گوشہ نشین طالب علم کو عطا فرما کر جس کرم بے غایت اور خورد نوازی کا اظہار فرمایا ہے۔ میں اس کے متعلق بجز اس کے کیا عرض کروں۔

میں اور خط وصل خدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

حضرات! احباب جانتے ہیں میری فطرت دشمنوں تک سے بدگماں ہونے کی نہیں ہے، ورنہ میں کہتا:۔

مجھ تک کب اس کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

میں جانتا ہوں کہ اس میں کچھ آپ کی مجبوری کا بھی دخل ہے اور وہ یہ کہ جتنے اکابر تھے وہ تو سب ہو گئے اس کنونشن کے داعی، پھر اب صدارت کرے تو کون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے، اس حالت میں "قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند" کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا۔ بہرحال اس مجبوری میں مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے اور اس لطف وکرم کے لئے سراپا تشکر و امتنان!

حضرات! آزادی کے بعد سے اب تک جب کبھی ملک میں ہنگامی حالات پیدا ہوئے مسلمانوں کے متعدد کنونشن منعقد ہوتے رہے ہیں۔ اور انھوں نے ان ہنگامی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمانوں کی مفید اور برقت راہ نمائی کی ہے اسی راہ نمائی کا یہ اثر ہے کہ مسلمان زمانہ کے گرم و سرد اور گردش لیل و نہار سے اس طرح گذرتے رہے کہ ان کا وجود ملی محفوظ و برقرار رہا۔ ملک اور قوم میں وہ عزت اور آبرو کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوسکے اور ان کا نالۂ دل بالکل محروم سماعت نہیں رہا۔

لیکن آج یہ کنونشن گذشتہ تمام کنونشنوں سے مختلف اور ان سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ اس کے وجوہ یہ ہیں۔ (۱) یہ کنونشن ہندوستان کی تمام قابل ذکر مسلم تنظیمات و مجالس کا ایک نمائندہ اجتماع ہے اس سے قبل یہ نمائندگی غالباً اتنے بڑے پیمانے پر کبھی نہیں ہوئی۔

(۲) یہ کنونشن اس وقت منعقد ہو رہا ہے جب کہ ملک ابھی چند مہینے ہوئے سخت ابتلا و آزمائش کے پونے دو برس کے بعد تاریخ جمہوریت کے ایک نہایت اہم انقلاب سے گذر چکا ہے۔ اس انقلاب نے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح کر دی کہ اس ملک کے عوام کا مزاج قطعاً جمہوری ہے۔ وہ جمہوریت کی قدر وقیمت کو پہچانتے ہیں اور اس کے مطالبات و واجبات کو پورا کرنے کی جسارت و جرأت بھی رکھتے ہیں، اس انقلاب نے ملک اور اس کے عوام کا نام دنیا میں اونچا کر دیا ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس تاریخ کے نہایت پر امن مگر ساتھ ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہایت شدید اور تند و تیز انقلاب کے برپا کرنے میں ملک کے مسلمانوں کا بھی بڑا حصہ ہے، عام طور پر کہا جاتا تھا کہ مسلمان قومی دھارے سے الگ ہیں۔ لیکن اس انقلاب نے یہ ثابت کر دیا کہ تناسب آبادی کے اعتبار سے اور اپنی ملی روایات و مآثر کے باعث اس ملک میں مسلمانوں کا جو مرتبہ و مقام ہے انہیں اس کا پورا ذمہ دارانہ احساس ہے اور جب کبھی ملک کا مفاد مسلمانوں کے اس احساس کو آواز دیگا تو مسلمان اس کو لبیک کہنے میں کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

(۳) اس کنونشن کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے جو کنونشن منعقد ہوئے۔ وہ اس وقت ہوئے جب کہ حالات ہنگامی تھے۔ فرقہ وارانہ فسادات ملک کے سیکولرزم اور اس کی جمہوریت کے لئے ایک چیلنج بنے ہوئے تھے اور انھوں نے ملک کی ایک عظیم اقلیت کا شیرازۂ اطمینان و سکون درہم برہم کر رکھا تھا، اس بنا پر ان کنونشنوں کی حیثیت بڑی حد تک دفاعی تھی لیکن آج یہ کنونشن اس وقت منعقد ہو رہا ہے جب کہ ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا قائم ہے اور ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے جذبات و احساسات اور ان کے طرزِ معیشت و معاشرت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا ہے۔ اسی بنا پر آج اس بات کا موقع ہے کہ ہم حیات قومی و ملی کے معاملات و مسائل پر خود اعتمادی اور وسعتِ قلب و نظر کے ساتھ ایک جگہ مجتمع ہو کر کھل کے گفتگو کریں۔

حضرات! ملک میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا اور شیکسپیر کے بقول OLD ORDER CHANGETH AND GIVES PLACE TO NEW ایک نظام دیرینہ کی جگہ نظامِ نو نے لی۔ اس نظام کے ماتحت ایمرجنسی کے دور کا خاتمہ ہوا۔ جمہوریت بحال ہوئی شہری حقوق واپس مل گئے۔ عدلیہ کا وقار اور انتظامیہ پر اسی کی برتری مسلم ہو گئی۔ یہ سب چیزیں نظامِ نو کی دین ہیں۔ جن پر وہ مبارکباد کا مستحق ہے۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج کل ہر محب وطن تشویش سے یہ محسوس کر رہا ہے کہ ملک کے حالات میں اب تک استحکام پیدا نہیں ہو سکا ہے۔ وہ اتھل پتھل ہیں۔ ڈسپلن مفقود ہوتا جا رہا ہے، قیمتیں برابر بڑھ رہی ہیں، عوام کی پریشانیوں میں اضافہ ہو رہا ہے ذات پات کے فرق اور امتیاز کی بنیاد پر سخت جبر و ظلم کے اندوہناک واقعات پیش آرہے ہیں اور ملک میں لا اینڈ آرڈر کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ حکومت اور عوام کا تعلق منطقی نہیں بلکہ جذباتی ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی نظام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک حکومت اور عوام دونوں میں باہم اشتراک تعاون نہ ہو اور دونوں مل جل کر ملک اور قوم کی اصلاح، فوز و فلاح اور اس کو ترقی دینے میں سعی نہ کریں اس مرحلہ پر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان اس راہ میں ملک کی کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں اور کب؟ اس وقت انہیں دو سوالوں کا جواب عرض کرنا ہے۔

اس سے انکار ممکن نہیں ہے کہ ہر قوم و ملت کے اعمال و افعال اس کے ایمان و اعتقاد اور آئیڈیالوجی کے تابع ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی آئیڈیالوجی یہ ہے کہ ان کا خدا وہ ہے جو واحد لا شریک لہٗ ہے، رحمٰن و رحیم اور رب العالمین ہے۔ اِن کا پیغمبر برحق رحمۃ للعالمین ہے۔ جس کا وصف سب سے پہلے اس کی رفیق زندگی نے یہ بیان کیا تھا کہ تقری الضیف وتحمل الکل، وتکسب المعدوم وتعین علی نوائب الحق:۔

مولانا حالی نے ان صفات کو ہی اس طرح منظوم کیا ہے:۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانیوالا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

یہ نسخہ کیمیا وہی ہے جس کا نام قرآن حکیم ہے، یہ کتاب الہی مسلمانوں کا دستور حیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، اس کتاب کی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کے عمل کا اچھا یا برا بدلہ، اگر اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ملے گا فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ تم میں سے جو شخص بھی ذرہ برابر نیکی کریگا - - - - - - وہ اس کا بدلہ پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی کوئی برا کام کرے گا تو وہ اس کا بدلہ پائے گا۔ اس کتاب میں انسان کا جو مرتبہ و مقام بیان کیا گیا ہے وہ دنیا کے کسی فلسفہ یا کسی مذہب نے نہیں بیان کیا۔ قرآن کے بیان کے مطابق انسان اپنے رب کا خلیفہ ہے اس بنا پر ایمان اور عمل صالح اس کا وظیفہ حیات ہونا چاہیے تاکہ وہ خلافت ربانی کا فرض بہمہ وجوہ بحسن وخوبی انجام دے سکے، اسلام کی تعلیم ہے کہ دنیا کے تمام انسان ایک ہی آدم کی اولاد ہیں، ان میں سے کسی پر رنگ، نسل، قومیت یا وطنیت کی بنیاد پر برتری نہیں ہو سکتی، البتہ نیکی برتری کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اسلام میں مساوات انسانی عدل و انصاف، خدمت خلق، اور ضرورتمندوں کی حاجت و ضرورت کو رفع کرنے اور ظلم وجبر، دھوکہ فریب، بد دیانتی، جھوٹ غیبت، بدگوئی استہزا و تمسخر، بے شرمی و بے حیائی وغیرہ سے مجتنب رہنے کے سخت اور تاکیدی احکام ہیں، اسلام بڑے سے بڑے دشمن سے بھی خوش خلقی اور شرافت و مروت کا ایسا معاملہ کرنے کی تاکید کرتا ہے کہ وہ دوست جانی بن جائے۔ وادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہٗ عداوۃ کانہٗ ولی حمیم۔ اسلام افراط زر، دولت کے چند افراد میں محدود ہو جانے، سود خواری بلیک مارکٹنگ، ذخیرہ اندوزی ضرورت سے زیادہ نفع خوری، اشیاء میں ملاوٹ اور معاملات میں دغا فریب ان سب چیزوں کو حرام و ممنوع قرار دیتا ہے وہ سماج میں شر و فساد پیدا کرنے کا شدید مخالف ہے غرض کہ وہ اپنوں اور پرایوں ہر ایک کے لئے سراپا رحمت و شفقت اور یکسر لطف و مدارات ہے۔ جیسا قرآن نے کہا:۔ وفی اموالکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق معلوم ۔ للسائل والمحروم یعنی تمہاری دولت میں ضرورت مندوں اور کم نصیب لوگوں کا حق ہے تو اس نے مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا اور نہ مذہب رنگ نسل اور قومیت و وطنیت کے امتیاز کے بغیر مسلمانوں کی دولت میں دنیا کے تمام غریبوں اور ضرورت مند انسانوں کا حق تسلیم کیا ہے، غرض کہ یہ ہے مسلمانوں کی آئیڈیالوجی اور نصب العینِ حیات، جیسا کہ ہر مذہب میں ہوتا ہے مسلمانوں میں بھی مسلک اختلاف ہوسکتا ہے اور رہے مگر اس آئیڈیالوجی میں کوئی اختلاف نہیں اس پر سب کا اتفاق ہے ۔

اس آئیڈیالوجی کے باعث مسلمانوں نے علمی اور عملی، مذہبی، اخلاقی ۔ روحانی اور تہذیبی و تمدنی حیثیت سے بنی نوع انسان کی کیا خدمات انجام دی ہیں اور اس کارگاہ ہست و بود کے سنوارنے اور اس کو پر زینت و رونق بنانے میں کیا اہم رول ادا کیا ہے؟ تاریخ عالم میں ان کے نقوش ثبت اور ایسے اجاگر ہیں کہ کوئی اگر ان سے صرف نظر کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ "ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما" شاعری نہیں ایک تاریخی حقیقت اور مشاہدہ ہے۔ پھر جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اس کی دھرتی تو یہاں کے مسلمانوں کی جنم بھومی اور وطن ہے انہوں نے اپنے خونِ جگر سے اسے سینچا اور اس کے ویرانوں کو گل گلزار بنایا ہے دجلہ و فرات اور دریائے جیحون و سیحون کا ذکر نہیں اس ملک میں مسلمانوں نے جو اذانیں دی ہیں گنگ وجمن کی موجوں نے ان کی آوازوں کو اپنے سینہ میں بطور ایک امانت کے جذب اور محفوظ کر لیا ہے، لاکھوں صوفیا اور مشائخ نے عشق الٰہی اور محبت انسانی کے جو نغمے گائے اور لا الہ الا اللہ کی جو ضربات لگائی ہیں اس ملک کی فضائیں اس سے معمور اور اس کی ہوائیں اس سے عطر بیز ہیں ملک کے چپہ چپہ پر ان کے آثار و ماثر پھیلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی طرح ہندو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سکھوں کی بھی وہ ارادت پناہ وعقیدت گاہ ہیں۔ اس بنا پر اس ملک اور اس کی سرزمین سے مسلمانوں کا رشتہ اٹوٹ ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ صاف ثابت اور ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں نے اپنی آئیڈیالوجی اور نصب العین حیات کے باعث ماضی میں اپنی مادرِ وطن کی نہایت اہم اور شاندار خدمات انجام دی ہیں تو وہ یہ خدمات آج بھی انجام دے سکتے ہیں، بالخصوص جب کہ اس ملک کو ان خدمات کی جو ضرورت آج ہے وہ اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ یہ گذارش پہلے سوال کے جواب میں تھی یعنی یہ کہ مسلمان اس ملک کی کیا خدمات انجام دے سکتے ہیں، اب رہا دوسرا سوال یعنی یہ کہ کب؟ تو اس سلسلہ میں کچھ معروضات اپنی قومی حکومت سے کرنی ہیں اور کچھ خود مسلمانوں سے!

حکومت سے ہم کو یہ کہنا ہے کہ ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے اس میں بہت سارے فرقے اور گروہ آباد ہیں۔ جو ایک ہی مادرِ وطن کی اولاد ہونے کے ساتھ اپنی اپنی تہذیبی اور لسانی روایات اور خصوصیات رکھتے ہیں۔ یہ روایات اور خصوصیات اس فرقے کے لئے سرمایۂ حیات اور اثاثۂ زندگی ہوتے ہیں۔ اقبال نے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہے اپنی کرن سے

یہ تہذیبی، مذہبی اور لسانی اختلاف اس ملک کا عیب نہیں ہنر ہے اس کا نقص نہیں، حسن اور جمال ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ملک ایک وحدت نہیں بلکہ بہت سی وحدتوں کا مجموعہ اور گویا ایک پوری دنیا ہے یہ سب وحدتیں اپنی انفرادیت کے بقا و تحفظ کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ملک کو حسن اور توانائی دیتی ہیں۔ ذوق نے کیا خوب کہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ایک جمہوری نظام کے ماتحت ان تمام وحدتوں کو پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کا موقع یکساں طور پر ملنا چاہئے ۔ ورنہ اگر ایک عضو بھی کمزور رہ گیا تو پورا جسم طاقتور نہیں کہلا سکتا، خود اعتمادی اور شعور خود ہی ہر فرقہ اور ملت کی بقائے زیست کے لئے شرط اول ہے ۔ اگر یہ نہ ہو تو خارجی طریقہ پر آپ اس کو آگے بڑھانے اور ترقی دینے کی لاکھ کوشش کیجئے وہ بار آور نہیں ہو سکتی ۔

مسلمان بھی اس ملک کی ایک بڑی اور اہم وحدت ہیں لیکن رنج اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آزادی کے حصول کے بعد سے اب تک سیکولرزم اور جمہوریت کے اعلان و قیام کے باوجود ان کے ساتھ حکومت اور اس کے عمال و ارکان کا معاملہ کھلے دماغ اور ذہن کے ساتھ نہیں رہا ہے اور تقسیم نے اکثریت کے دلوں میں اقلیت کی طرف سے شک و شبہ اور بیزاری و دل گرفتگی کی جو فضا پیدا کردی تھی وہ دور نہیں ہوئی ہے ۔ چنانچہ ملک میں کثرت سے فسادات کا ہونا ۔ ملازمتوں میں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز برتنا، اردو زبان کو اس کے طبعی حق سے محروم کرنا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ۱۹۵۱ء کے ایکٹ کو یک بیک منسوخ کر کے مسلمانوں کے ملک گیر احتجاج کے باوجود ایک ایسا ایکٹ نافذ کر دیا جو یونیورسٹی کی تہذیب روایات اور اس کے بانی کے بنیادی اغراض و مقاصد پر ایک ضرب کاری حکم رکھتا ہے ۔ اسی طرح ملک میں مسلمانوں کے اوقاف کروڑوں روپیہ کی سالانہ آمدنی کے ادھر ادھر پھیلے ہوئے ہیں ۔ لیکن ریاستی اوقاف بورڈ، سنٹرل وقف کونسل اور پارلیمنٹ کی اوقاف تحقیقاتی کمیٹی اور اس کی رپورٹ کے باوجود گورنمنٹ نے اب تک کوئی ایسا اقدام نہیں کیا ہے جس کے باعث ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تحفظ ہو اور ان کا استعمال صرف ان کے اصل اغراض و مقاصد کے مطابق ہو۔ اسی طرح مسلم پرسنل لا جس کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق رابطۂ جسم و جان کا ہے اس کے متعلق حکومت نے ابتک کوئی ایسا مثبت اور واضح قدم نہیں اٹھایا ہے۔ جس سے اس بارہ میں مسلمانوں کی تشویش اور شکوک شبہات دور ہوں علاوہ ازیں کوٹھاری کمیشن کی رپورٹ نے ملک میں یہ عام احساس پیدا کیا ہے کہ اگر اس کمیشن کی رپورٹ کے باب دس پیرا ۲۰ و ۱۹ کے مطابق NEIGHBOUR HOODSCHOOL اسکیم نافذ کر کے ہر ایک کو جبراً سرکاری ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا گیا یا اسی باب کے پیرا ۸۰ کی سفارش کے مطابق ہر چھوٹے بڑے مکتب اور مدرسہ کے لئے رجسٹریشن لازمی قرار دیا گیا تو اس سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور دینی مدارس متاثر ہونگے۔ یہ احساس اور خطرہ بیجا نہیں ہے۔ کیونکہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ ملکوں میں صنعت و حرفت اور زراعت و فلاحت کے ساتھ تعلیم کو بھی قومیانے کے یہ نتائج پیدا ہو چکے ہیں۔ حضرات! میں نے حکومت کو متوجہ کرنے کے لئے ان چند مگر نہایت اہم مسائل کا جو ذکر کیا ہے۔ ان پر تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ مسائل برسوں سے ملک میں دائر و سائر ہیں۔ مسلمانوں کے ہر اجتماع میں یہ زیر بحث آتے رہے ہیں اور ان پر کثرت سے مقالات لکھے گئے اور تقریریں ہو چکی ہیں۔ اور پھر خود کنونشن میں ان پر غور و خوض ہوگا۔ اور تجاویز مرتب ہوں گی۔

حضرات! جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، یہ مسلمانوں کے وہ چند معاملات و مسائل ہیں جو برسوں سے زیر بحث و گفتگو آرہے ہیں جن کے حل کی طرف مسلمانوں نے حکومت وقت کو بار بار توجہ دلائی ہے۔ لیکن ان کا اب تک کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا اور حالت یہی رہی کہ:۔

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن آج صورت حال مختلف ہے۔ ملک میں ایک نئی حکومت قائم ہے جو تہذیبی معاملات میں معروضی نقطۂ نظر کے حامل ہونے کی مدعی ہے۔ پھر آج وہ پہلی سی فرقہ وارانہ کشمکش بھی نہیں ہے۔ ملک کو آزاد ہوئے تیس برس ہوگئے۔ اس لئے تقسیم نے جو زخم پیدا کردیئے تھے وہ بھی مندمل ہوتے جارہے ہیں۔ اس بنا پر یہ امید رکھنی چاہیئے کہ حکومت ان مسائل پر سنجیدگی سے غور کرے گی ــــ پچھلے دنوں خبر آئی تھی کہ حکومت ایک اقلیتی کمیشن مقرر کرنا چاہتی ہے، پھر معلوم نہیں اس میں کیا پیش رفت ہوئی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت عمدہ اور ضروری تجویز ہے، اس پر جس قدر جلد عمل ہوجائے اسی قدر بہتر ہے۔ بہرحال اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ کمیشن بااختیار ہو اور اقلیتوں کے قابل اعتماد افراد پر مشتمل ہو اور اسے دستوری حیثیت بھی حاصل ہو۔

اب آخر میں اجازت دیجیئے کہ میں خاص مسلمانوں سے کچھ عرض کروں!

برادران عزیز وگرامی مرتبت! آج ملک میں جو حالات پیش آرہے ہیں ہم ان کے تماشائی ہوکر نہیں رہ سکتے، اخلاقی معیارِ زندگی روز بروز تریست ہوتا جارہا ہے، خود غرضی، کام جوئی اور مطلب پرستی کی ہنگامہ آرائیوں میں ضمیر اور کانشنس کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔ ملک میں ایک عام افراتفری اور خلجان و اضطراب پیدا ہے کوئی حکومت جس کو عوام کا تعاون حاصل نہ ہو محض اپنی انتظامی مشنری کے بل بوتہ پر اپنے اصلاحی پروگرام میں کامیاب نہیں ہوسکتی، ہمارے عوام کا حال یہ ہے کہ انھوں نے جمہوریت کے عطا کردہ حقوق کو تو پہچانا ہے مگر جمہوریت ان پر جو فرائض اور واجبات عائد کرتی ہے۔ اُس کا انھیں گویا کوئی احساس نہیں ہے۔ حالات بڑی تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ ممکن ہے آپ کے کانوں تک اس کی آواز نہ پہنچی ہو لیکن میں سن رہا ہوں کہ خطرہ کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی ہے۔ ہرچند کہ ابھی اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آواز دھیمی ہے لیکن اگر ہم بروقت نہ چونکے تو یہ آواز تیز بھی ہو سکتی ہے، وقت کی عدالت نے اپنا قلم سنبھال لیا ہے کہ وہ انقلاب کے بعد کے ہمارے افعال واعمال کا محاسبہ کر کے ہمارے مستقبل کا فیصلہ لکھے، آزادی طرح انقلاب مقصود بالذات کبھی نہیں ہوتا بلکہ وہ فطرت کی آستین سے قدرت کا دستِ انتباہ بن کر رونما ہوتا ہے اُن کے لئے بھی جن پر انقلاب کی زد پڑتی ہے کہ وہ اپنے ماضی کا جائزہ لیں اور ان کے لئے بھی جو انقلاب کے علمبردار ہوتے ہیں تاکہ وہ عبرت و بصیرت حاصل کر کے اپنے حال کو سنواریں اور مستقبل کی فکر کریں۔ کلام الٰہی نے مسلمانوں کو "شہداء للناس" اور "کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر" (تم لوگوں کے لئے حق کے) گواہ ہو اور تم بہترین قوم ہو کیونکہ تم اچھی باتوں کا حکم کرتے اور بری چیزوں سے روکتے ہو۔) کے جس خلعت فاخرہ سے نوازا ہے اُس کا تقاضہ اور مطالبہ ہے کہ وہ ان حالات کے سدھار کے لئے مثبت اقدام کریں، کس طرح؟ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ اس ملک میں سیاست اور تعلیم کے میدان میں تو بہت کام ہوا اور ہو رہا ہے، بڑے بڑے ادارے ہیں جو یہ کام کر رہے ہیں، لیکن سخت افسوس کی بات ہے کہ سماج سدھار اور اخلاقی تربیت و تعلیم کا میدان نظر انداز رہا ہے۔ میرا خیال ہے اور غالباً صحیح ہے کہ ہمارے زمانے میں گاندھی جی اس ملک کے پہلے اور آخری بھی عظیم لیڈر تھے جنھوں نے سیاسی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عوام کی سماجی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، کیونکہ انھیں اس کا یقین تھا کہ جو سیاست فکر و نظر کی اصلاح اور اعلیٰ کردار اخلاق کے ساتھ نہ ہو وہ شہد و انگبین نہیں سمِ قاتل ہے اور گوشت خوروں کے لئے ایسی سیاست مرغ و ماہی نہیں چیونٹیوں کے بھرے کباب ہیں۔ بہرحال سماج سدھار یا سوشل ورک کا ایک بڑا میدان ہے جو خالی پڑا ہے۔ مسلمانوں کو برادران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وطن کے ساتھ ملکر اس میدان میں کام کرنا چاہیئے۔ یہ وقت کا تقاضا بھی ہے اور مذہب کا حکم بھی، ہمارے اسلاف نے آندھیوں میں چراغ جلائے اور بادِ تیز و تند تھپیڑوں میں اپنے لنگر اٹھائے ہیں۔ اس بنا پر اگرچہ یہ کام بہ صبر آزما، دیر طلب اور ہمت خواہ ہے لیکن اگر ہم خدا کا نام لے کر اس لئے کھڑے ہوگئے تو ہم اس ملک کی کایا پلٹ کر سکتے ہیں اور حقیقت یہ ہے ملک کی خدمت اس سے بڑی کوئی اور نہیں ہوسکتی ۔"

لیکن عزیز دوستو اور بھائیو! دوسروں کی اصلاح سے پہلے ہ مسلم سماج کی اصلاح کرنا چاہیئے ورنہ ہم قرآن کی وعید کبر مقتاً ان تقولوا ما لا تفعلون کے مستحق اور اس کے مصداق ہوں ہمیں غور کرنا ہوگا کہ خود ہمارے نوجوانوں کا مذہبی و دینی شعور، ا معیارِ زندگی۔ ان کا کیرکٹر اور کردار کیا ہے، اور ان کی تعلیمی حیثیت کے اعتبار سے ان کا تعلیمی تناسب کیا ہے۔ اگر خود ہمارے اندر چوربا اندوزی اور اسمگلر موجود ہیں تو ہم دوسروں سے کیسے .... کہہ سکتے ہ عادتیں بری اور گناہ کے کام ہیں۔ اگر ہمارے معاشرہ میں ذات پات برادری کا فرق و امتیاز موجود ہے تو ہم اپنے ہندو بھائیوں سے کی اچھوت تمہارے بھائی ہیں، ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھو اور ان برابری، عدل و انصاف اور محبت و رواداری کا برتاؤ کرو۔ اگر خود معاشرہ میں تلک اور جہیز وغیرہ کے غلط رسوم یا حقِ طلاق و تعدد ا کے ناجائز استعمال کے باعث لڑکیاں اور عورتیں مظلوم اور ستم ر ــــــ تو دوسروں کی عورتوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ اگر خود ہمارے فضول خرچ اور عیاش ہیں تو دوسرے دولت مندوں سے کیونکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام عادتوں کو ترک کر دو، اگر ہم میں آپس میں میل ملاپ اور اتحاد و اتفاق نہیں تو برادران وطن کو کس منہ سے اتحاد و اتفاق کی دعوت دیں۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ شہداء الحق کی حیثیت سے ان کا فرض ہے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کریں اور پھر دوسروں کے لئے نمونہ عمل بن کر اصلاح کا بیڑا اٹھائیں۔ ورنہ اگر انہوں نے خود اپنی اصلاح نہیں کی تو یہ خود بھی تباہ ہوں گے اور اپنے ملک اور قوم کو بھی نقصان پہنچائیں گے۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ بازار سے گزر رہے تھے اور اس وقت بارش ہو رہی تھی امام صاحب نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ بھاگا چلا جا رہا ہے۔ فرمایا۔ میاں صاحبزادہ! سنبھل کر چلو، پھسل کر گر پڑو گے۔ لڑکا بڑا ذہین تھا فوراً بولا: حضرت قبلہ! آپ سنبھل کر چلیئے، کیوں کہ اگر میں گرا تو بس! میرے ہی چوٹ آئے گی۔ لیکن اگر آپ گرے تو سارا جہان گر جائے گا۔ علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کے وجود و بقا کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اسی مضمون کو کس خوبی اور بلاغت سے بیان کیا ہے؟ فرماتے ہیں:-

آتش تاتاریاں گلزار کیست؟ شعلہ ہائے او گل دستار کیست؟
از تہِ آتش بر اندازیم گل نار ہر نمرود را سازیم گل
شعلہ ہائے انقلاب روزگار چوں بباغِ ما رسد گردد بہار
رومیاں را گرم بازاری نماند آں جہانگیری جہانداری نماند
شیشۂ ساسانیاں در خوں نشست رونق خمخانۂ یونان شکست
مصر ہم در امتحان ناکام ماند استخوانِ او تہِ اہرام ماند
در جہاں بانگِ اذاں بود است و ہست ملتِ اسلامیاں بود است و ہست
عشق از سوزِ دل ما زندہ است از شرارِ لا الٰہ تابندہ است
گرچہ مثل غنچہ دل گیریم ما گلستاں میرد اگر میریم ما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوپر اگرچہ میں نے اشارۃً کہا ہے، لیکن آخر میں کچھ ذرا وضاحت سے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ ہم بحیثیت شاہدِ حق ملت کے اپنا فرض اسی وقت انجام دے سکتے ہیں جب کہ ایمان و عمل صالح کے ساتھ ہم سب میں (جہاں تک مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کا تعلق ہے) باہم اتحاد و اتفاق اشتراک عمل اور یکجہتی و یگانگت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو ایک عظیم نعمت خداوندی فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی متنبہ فرمایا ہے کہ اگر یہ اتفاق نہ ہوتا تو تم ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں جا گرتے۔ ارشاد ہوا۔ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا۔ ایک اور آیت میں صاف طور پر ارشاد ہوا کہ خبردار آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ فتذھب ریحکم، اس میں شبہ نہیں کہ ہم میں جزوی مسائل میں اختلاف کے باعث مختلف جماعتیں ہیں، لیکن ان اختلافات کو بنیادی اور اہم ملی معاملات میں دخیل ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے، ورنہ ہم فوز و فلاح کی کوئی توقع نہیں کرسکتے۔

حضرات! ان سب امور پر کنونشن میں غور و خوض ہوگا۔ اس سلسلے میں کنونشن میں ایک وفاقی نظم اور اس کے سکریٹریٹ کے قیام پر بھی تبادلہ خیال کیا جائے گا اور اس پر بھی غور کرنا ہوگا کہ کیا اس کا نام مجلس مشاورت مناسب رہے گا۔ اگر اس پر اتفاق ہوجائے تو پھر ہمیں طے کرنا ہوگا کہ مجلس مشاورت کی ازسرِنو تشکیل کے لئے ہمیں اس کے موجودہ دستور میں کیا تبدیلیاں پیدا کرنی ہیں۔

خدا کرے یہ کنونشن اپنے اغراض و مقاصد میں بہمہ وجوہ کامیاب و کامران ہو۔

وما توفیقنا الا باللہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

© rasailojaraid.com